ایک
دے کر
سات سو لے لو

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک دے کر سات سو لے لو

استاذہ نگہت ہاشمی

ایک دے کر سات سو لے لو

استاذہ نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : ایک دے کر سات سو لے لو

مصنّفہ : استاذہ نگہت ہاشمی

طبع اوّل : جون 2007ء

تعداد : 2100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 98/CII گلبرگ III فون: 042-7060578-70605?7

فیصل آباد : 103 سعید کالونی نمبر 1، کینال روڈ، فون: 041 - 872 1851

بہاولپور : 7A، عزیز بھٹی روڈ، ماڈل ٹاؤن اے، فون: 062 - 2875199

2885199، فیکس : 062 - 2888245

ملتان : 888/G/1، بالمقابل پروفیسرز اکیڈمی، بوسن روڈ، گلگشت

فون: 061 - 6220551, 6223646

ای میل : alnoorint@hotmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

النور کی پراڈکٹس حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں:

مومن کمیونیکیشنز 48-B گرین مارکیٹ بہاولپور

فون: 062 - 2888245

قیمت : روپے

ابتدائیہ

ہر صاحبِ شعور انسان نفع کو، فائدے کو پسند کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ایک طرف انسان ہر وہ کام کرنا چاہتا ہے جس میں فائدہ زیادہ ہو اور دوسری طرف اگر ایک کم نفع بخش کام سے زیادہ نفع دینے والا کام اُس کے سامنے آتا ہے تو وہ ہمیشہ زیادہ مفید کے لئے کم مفید کو چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی فطرت کے پیشِ نظر اُسے ایک ایسے بزنس کی طرف توجہ دلائی ہے جس میں ایک دے کر وہ سات سو لے سکتا ہے۔ اس حقیقت کو انسان کے ذہن میں راسخ کرنے کے لیے ایک زندہ منظر کی مثال سے اُسے سمجھایا ہے کہ جیسے ایک دانہ بوتے ہو تو اُس سے سات بالیاں اور ہر بالی کے اندر سے سات سو دانے لے سکتے ہو، اسی طرح آج کا وہ صدقہ جو کل کے لیے کرو گے، وہ سات سو گنا تک بڑھ سکتا ہے۔ اس منظر سے انسان ایک ایسا یقین حاصل کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس بزنس کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اس کی نظریں ایک طرف اپنے حقیر کام پر پڑتی ہیں تو دوسری طرف فوراً ہی اپنے رب کی وسعتوں کی طرف نظر اُٹھتی ہے۔ یہ بات انسان کو پُرسکون کر دیتی ہے کہ وسعتوں والے رب کو اپنے بندے کی کم مائیگی کا علم ہے وہ اپنی وسعتوں سے کم کو زیادہ کر دے گا۔ کئی گنا بڑھائے گا۔ ایک دوں گا تو سات سو لے لوں گا۔ یوں اس انوکھی تجارت کے لیے انسان کمر

باندھ لیتا ہے۔ یہی تو وہ تجارت ہے جس میں کبھی خسارہ ہونے والا نہیں۔

یا اللہ! ہمیں اس نفع بخش تجارت کا سچا شعور نصیب فرمایئے آمین۔

دعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (البقرہ: 261)

ترجمہ:

”جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک دانے جیسی ہے جو سات سٹے اُگائے اور ہر سٹے میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا، جاننے والا ہے“۔

پہلی بنیادی بات یہ ہے کہ انفاق کا تعلق اسلام کے بنیادی معاشی اُصولوں سے ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ سورۃ البقرہ کا بنیادی مقصد انسانیت کی قیادت کے لیے اُمتِ مسلمہ کو تیار کرنا ہے اور انفاق ان اُصولوں میں سے ہے جن سے اُمتِ مسلمہ کی تنظیم مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ آپ انفاق کی مثال سمجھنا چاہتے ہو تو بیج سے سمجھو۔ ایک ایسی چیز سے ربّ العزت نے سمجھانے کی کوشش کی ہے جو روزمرّہ کے تجربے میں آتی

ہے۔کون ہے جو بیج کو نہ جانتا ہو یا بیج کے اُگنے کے مراحل سے واقف نہ ہو؟ ایک وہ انسان بھی جس نے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھا، کتابِ کائنات سے وہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بیج اُگتے دیکھتا ہے، فصل کو اُگتے ہوئے دیکھتا ہے تو فصل کی بہار کا بھی اسے پتہ چلتا ہے، فصل کٹتی رہے تو اس کا بھی اسے پتہ چلتا ہے۔ سادہ سی مثال ہے جس کو سمجھنا بہت آسان ہے۔

یہاں پر پہلی بات ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جانا اور اس کی مثال دانے کی سی ہے، ایک دانہ ہے جس سے سات بالیاں نکلیں یعنی ایک دانے سے ابتدائی طور پر سات گنا اضافہ ہوا۔

فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

"ہر سٹے کے اندر سو دانے ہوں"۔

اس طرح یہ اضافہ سات سو گنا ہو گیا جس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ

"اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بڑھاتا ہے"۔

خاص بات کی طرف توجہ کیجئے گا کہ انسانوں کے چاہنے سے یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کے چاہنے سے ہو گا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

"اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے"۔

پہلی مثال کو ہم دیکھیں گے اللہ تعالیٰ نے انفاق کی بیج سے مثال دی ہے۔ بیج کئی طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی بیج وائرس زدہ ہو، ہو سکتا ہے کہ کوئی بیج ایسا ہو جو اُگانے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود favourable ماحول نہ پائے اور favourable ماحول جانتے ہیں کون سا ہوتا ہے؟ جہاں مٹی [soil] اس بیج کے لیے مناسب ہو، پھر اس کو اچھی طرح سے

نرم بھی کیا گیا ہو، پھر پانی بھی مناسب دیا جائے۔ پھر اس کے لیے خوراک کا یعنی کھاد کا بھی مناسب انتظام کیا جائے، پھر ہوا اور روشنی کا بھی مناسب انتظام ہو۔ یہ favourable ماحول ہے۔ اس کے علاوہ بیج اگر کہیں اور پڑا رہے مثلاً اگر گندم بند پڑی رہے تو کیا گندم بوریوں میں بند پڑی اُگ جاتی ہے؟ نہیں، اس کے لیے ماحول چاہیے، اس کے بغیر نہیں اُگے گی حالانکہ بیج کو سب معلوم ہے کہ کیسے اُگنا ہے، بیج جانتا ہے، اس کے اندر ربّ نے programming کی ہوئی ہے لیکن بیج نے ماحول کے اندر جا کے اُگنا ہے۔ کاش انسان اس بات کو سمجھ جائیں کہ ماحول کے بغیر اُگاؤ ممکن نہیں ہوتا!

ہماری ساری سوسائٹی کہتی ہے کہ دین کے احکامات کا ہمیں پتہ ہے لیکن خیر کیوں نہیں اُبھرتا؟ ماحول favourable نہیں ہے، چاہتے بھی نہیں ہیں، اگر چاہیں تو میسر نہیں ہے، اور اگر میسر ہو تو پھر بعض اوقات وسائل نہیں ہوتے۔ بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ ہر بیج کو اُگنے کے لیے مناسب ماحول چاہیے، مناسب ماحول کے اندر ہی اُگاؤ ممکن ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیج کے اندر اگر originally اُگانے کی صلاحیت بھی ہو اور favourable ماحول بھی ہو لیکن بیج خود وائرس زدہ ہو، خراب ہو تو وہ اُگے گا تو سہی، اس پہ سٹے بھی لگیں گے لیکن دانے نہیں لگیں گے۔ وائرس کی وجہ سے فائدہ نہیں ہوسکتا۔ جیسے کاٹن کے ایسے seed ہوتے ہیں جن کو وائرس لگا ہوا ہوتا ہے۔ ابتداء میں پتہ نہیں چلتا کہ واقعی بیج خراب ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ وہ اُگتا ہے، بڑا بھی ہو جاتا ہے، پورا پودا بن جاتا ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ اس کے پتے خراب ہونے لگتے ہیں، اس کے اوپر کاٹن کا پھول نہیں لگتا، اس سے کاٹن حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ بیج خراب ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے طریقۂ کار کے مطابق تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ انسانوں کے اندر تبدیلی مختلف طرح سے کیوں آتی ہے؟ جیسے بیج کو وائرس لگتا ہے ایسے ہی

اگر ایمان متاثر ہو جائے، ایک انسان منافق ہو جائے، کھوٹا انسان تو اس کے اندر کبھی اُگاؤ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، اس کے دل کی سرزمین سے اعتراضات اٹھتے ہیں، وہ اعتراض کرتا ہے، اس کے دل کے اندر وسوسے پیدا ہوتے ہیں، وہ دوسروں کے بارے میں شک میں مبتلا ہوتا ہے، اگر خرچ کر لے تو اسے یہ یقین کبھی حاصل نہیں ہوتا کہ اس خرچ کرنے کا مجھے فائدہ ہوگا، الٹا اضطراب۔ لہٰذا نقصان دہ پھل نہیں لگانا۔

انفاق کی وجہ سے تو انسان کو اطمینان ملنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی رضا کی وجہ سے دل کو تسکین ملنی چاہیے لیکن یہ پھل منافق نہیں کھاتا، منافق کے دل سے ایسا ایمان نہیں اُبھرتا جس کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے، جس کی وجہ سے اسے سکون نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب میں بات کی ہے اللہ پر ایمان کی، فرشتوں پر ایمان کی، کتابوں پر، رسولوں پر یومِ آخرت پر ایمان کی، اسی طرح تقدیر پر ایمان کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان ایک ہونے کے باوجود کئی شاخیں رکھتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''ایمان کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں''۔ (صحیح مسلم:152)

جب ہم ان شاخوں کو Study کرنے لگتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اعمال بھی ایمان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ ایمان کا آغاز اگرچہ لا الہ الا اللہ سے ہوتا ہے لیکن ساری زندگی انسان کس طرح گزارتا ہے؟ یا تو اس کے ایمان میں کمی آ رہی ہوتی ہے یا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم آ رہا ہوتا ہے، اس کو مان لینا، دل سے تسلیم کر لینا ایمان ہے اور اس کو نہ تسلیم کرنا، اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہونا، اس کے بارے میں کسی قسم کا doubt ہونا ایمان کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔

فرض کریں کسی کو انفاق کے حکم پر پورا یقین نہیں آتا، اس کا مطلب ہے کہ doubt

ہے۔اس doubt کے ساتھ انفاق نہیں ہوسکتا۔اگر چہ انسان تھوڑا تھوڑا خرچ کرنا شروع بھی کردے،خرچ کرتا بھی جائے،اسے انفاق نہیں کہہ سکتے۔وہ فی سبیل اللہ نہیں ہے۔اس کے رزلٹ بھی برآمد نہیں ہوں گے۔کیوں؟doubt کی وجہ سے،شک حق کے راستے کی رکاوٹ ہے۔کسی حکم کا حق اگر دل کے اندر اُتر جائے،یہ ذرا جزوی بات ہے،ایک حکم بھی حق ہے۔اللہ تعالیٰ کی ذات حق ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھنے والی ہر چیز حق ہے۔اللہ تعالیٰ کا کلام حق ہے تو کلام کا ایک حصہ بھی حق ہے۔جب حق کو آپ اندر نہیں اتاریں گے تو شک اُتر آئے گا،جب شک اُترے گا تو نفاق اُتر آئے گا اور نفاق اُترے گا تو فائدہ نہیں ہوگا،انسان کام کر رہا ہوگا لیکن فائدہ نہیں ہو رہا ہوگا اور کتنی عجیب بات ہے کہ ایک انسان اپنا مال لگائے اور اسے فائدہ ہی نہ ہو،نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔کتنی ہی چیزیں ہیں جو فائدہ نہیں پہنچنے دیتیں۔

انفاق سیریز جس کی دوسری کڑی آپ کے ہاتھوں میں ہے،میں وہ مثالیں موجود ہیں جن سے انشاءاللہ تعالیٰ انفاق کی حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے اگر سچی نیت کر لیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کر لیں۔ایمان کے بعد اگر انفاق کی حقیقت کو سمجھ لیا اور یہ حق اندر اُتر گیا تو زندگی ایک دم تبدیل ہو جائے گی۔یہ اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے بغیر انسان ایمان کے راستے پر نہیں چل سکتا۔جب بھی ایمان کے راستے پر قدم اُٹھے گا انفاق کے ساتھ ہی اُٹھے گا۔اس قدم کو اٹھا کے یا تو انسان اپنی صلاحیت لگا رہا ہوگا یا وقت لگا رہا ہوگا یا مال لگا رہا ہو گا۔ایمان کے ساتھ انفاق ہو تبھی اللہ کی کتابِ ہدایت سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکتا ہے،اس کے بغیر تو کتاب بھی سمجھ نہیں آئے گی،اس کے بغیر ہدایت نہیں ملے گی،اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کار سمجھ نہیں آئے گا۔اگر ایک حکم پڑھا ہے تو حکمت سمجھ لیں اور حکمت جانتے ہیں کب سمجھ آتی ہے؟جب انسان کے دل میں خواہش ہوتی ہے،وہ ارادہ کرتا ہے،

دُعا کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے، انسان خود نہیں achieve کر سکتا، مثلاً آپ چاہیں کہ میں خود ہی سمجھ جاؤں، کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ: 269)

"جس کو حکمت دی گئی اسے خیرِ کثیر دی گئی"۔

'دی گئی' سے کیا مراد ہے؟ کہ دینے والا source کوئی اور ہے، یہ باہر سے ملی ہے۔ اور حکمت کیا ہے؟ معاملات کی سمجھ، احکامات کی سمجھ، فیصلہ کرنے کی قوت۔ انسان ساری زندگی فیصلے ہی تو کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے انفاق کے بارے میں پڑھا اور آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو حکمت مل گئی اور اگر آپ کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں آتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو حکمت نہیں ملی۔

اس موڑ پر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کی ضرورت ہے لیکن یاد رکھئے گا کہ اللہ تعالیٰ طلب کے مطابق دیتے ہیں۔ جتنا آپ کے دل کے اندر وسعت ہوگی، جتنا آپ چاہیں گے وسعتوں والا ربّ اتنی وسعت دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انفاق کے احکامات کو بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے جو اپنی صفت متعارف کروائی وہ یہ کہ

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

"اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس کے دل کے اندر کتنی طلب ہے؟ کس کو کتنی سچی خواہش ہے؟ کتنی بڑی تمنا ہے؟ وہ مولیٰ جو علیمٌ بذاتِ الصدور ہے، جو طبیعت کے میلان کو بھی جانتا ہے، ہمارے رجحان کو بھی جانتا ہے، وہ جو اندر رچی بسی خواہش کو جانتا ہے، اس مولیٰ سے مانگنا ہے کہ وہ ہمیں انفاق کی حکمت عطا کرے، ہمیں اس معاملے کی سمجھ عطا کرے اور ہمارے

دلوں کے اندر اس کی حقیقت اُتر جائے۔ جب اس کی حقیقت سمجھ آ جائے گی تو اُمتِ مسلمہ کی بہتری اور اس کے غلبے کے لیے کوشش ہونا ممکن ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہاں ہم نے دو باتیں دیکھیں: ایک تو یہ کہ بیج وائرس زدہ ہوگا تو اس پر پھل نہیں لگے گا چاہے وہ اُگ آئے۔ دوسری بات ہم نے یہ دیکھی کہ ماحول favourable نہ ہو تب بھی بیج نہیں اُگتا۔ اب ہم favourable ماحول کو بھی دیکھیں گے۔ بیج کے لیے soil چاہیے، ہوا بھی چاہیے، روشنی بھی چاہیے، کھاد بھی چاہیے، پانی بھی چاہیے۔ اسی طرح اگر آپ انفاق کے بیج کو اپنے دل کی سرزمین پر اُگانا چاہتے ہیں تو کیا چاہیے؟ دل کے اندر نرمی چاہیے۔ یہ سرزمین ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اُگنے کی صلاحیت رکھی ہے، یہ اُگا سکتی ہے لیکن اس سرزمین کو نرم کرنا پڑتا ہے۔ نرم کیسے ہوگی؟ جب کسان ہل چلائے گا۔ یہ دل تو اللہ تعالیٰ کی دو کریم انگلیوں کے درمیان ہے۔ اس دل پر اللہ تعالیٰ کا قبضہ ہے، وہ بدل سکتا ہے، اس دل کے حالات و واقعات کو وہ نرم کر سکتا ہے۔ ہم جتنی بھی کوشش کریں توفیق اس کی دی ہوئی ہے۔ دل کی سرزمین کو نرم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کے راز کو سمجھایا اور اب اللہ تعالیٰ انفاق کا بیج ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ یہ اُگ آئے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ماحول فراہم کیا ہے۔

یہ آیات جب اُتریں تو محمد رسول اللہ ﷺ نے گھر بیٹھ کر اکیلے تلاوت نہیں کر لی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آیات سکھائیں، انہیں سمجھایا اور ان کے شعور کے اندر اتنی روشنی ہوئی کہ انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد علم والوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دلوں کی سرزمین میں یہ بیج اُگا دیں، اس کو مسلسل پانی دیں، اس کے لیے مسلسل ایسا انتظام کریں جس کی وجہ سے favourable ماحول رہے، جس کی وجہ سے انفاق ہوتا رہے۔ انسان مستقل طور پر انفاق کو قبول کر لیں تب یہ ممکن ہے کہ ایک بیج سے سات ٹے

اُگیں اور ہر سٹے پر سو دانے ہوں۔ جو مال خرچ کیا جاتا ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ نے بیج سے دی ہے۔ یہ بیج سات سو بیج کیسے بن جاتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ

''ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں بیج جیسی ہے''۔

آپ الفاظ دیکھیے گا:

حَبَّۃٍ	''بیج''
اَنْبَتَتْ	''اُگائے''
سَبْعَ سَنَابِلَ	''سات سٹے''۔

کیسا خوبصورت منظر ہے کہ ایک بیج اُگ رہا ہے، ایک بیج سے سات سٹے اُگ آئے ہیں اور ہر سٹے میں اب کیا ہو رہا ہے؟ اندر تبدیلی آرہی ہے۔

فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ط

''ہر سٹے میں سو سو دانے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط

''اور اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے جس کے لیے وہ چاہتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کس کے مال کو بڑھاتے ہیں؟ جو مال خرچ کرتے ہوئے گہرے اخلاص اور سچائی کے ساتھ مال کو خرچ کرے، گہرے جذبے کے ساتھ، دل کی لگن کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر۔ ایک اللہ تعالیٰ کی خوشی کے سوا اس کے سامنے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ جو ربّ ایک دانے سے سات سو دانے نکال سکتا ہے، وہ ایک روپے کو ترقی دے کر سات سو روپے بھی کرسکتا ہے، وہ صدقے میں دی جانے والی ایک کھجور کو سات سو کے برابر کرسکتا

ہے، وہ اسی طرح ایک گرام کو سات سو گرام تک کر سکتا ہے چاہے وہ لوہے کا ہو، gold کا ہو یا کسی اور چیز کا۔ کسی نے اللہ کی راہ میں ایک گلاس دودھ خرچ کیا تو سات سو گلاس ملیں گے۔ جو بھی چیز ہو، چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ تعالیٰ کو یہ نہیں دیکھنا کہ کون کتنی بڑی چیز لے کر آیا؟ اللہ تعالیٰ کو تو یہ دیکھنا ہے کہ کون کتنا سچا جذبہ لے کر آیا ہے؟ کون کتنا خالص جذبہ لے کر آیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بیج سے تشبیہ دے کر فطرتِ انسانی کو جھنجھوڑا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ دل کی سرزمین میں ایک ارتعاش سا پیدا ہو گیا ہے۔ جیسے کھڑے پانی میں کوئی پتھر پھینک دے تو بھنور سے بننے شروع ہو جاتے ہیں، ایسے ہی انسان کے دل کے اندر بھی تبدیلی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہے تو دل کے اندر ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔ اس ہلچل کو آپ محسوس کر سکتے ہیں۔

کیا میرا دل ایسا ہے جس میں اُگانے کی صلاحیت ہو؟

کیا میرا دل ایسا ہے جس کے اندر جو بیج ڈالا جا رہا ہے وہ بیج بالکل صحیح ہو؟

کیا میرے دل کے اندر جو بیج بویا جا رہا ہے اس کے لیے favourable ماحول ہے؟

کیا مجھے favourable ماحول میسر ہے؟

الحمدللہ! ماحول بھی ہے اور بیج ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سمجھایا بھی اس انداز سے ہے کہ بات سمجھ آنا شروع ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے اُگنے کی صلاحیت موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فطرتِ انسانی کو اس طرح جھنجھوڑا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کیا کہ یہ دیکھو! یہ گیا بیج، یہ اُگے سٹے اور یہ نکلے دانے۔ یہ دیکھو! تم نے بڑھتا ہوا دیکھ لیا، ایک بیج کو تم دیکھ سکتے ہو کہ سات سو میں بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ ویسے ابھی تک جو انسانوں نے ریسرچ کی ہیں اتنا بڑا ٹارگٹ انسان achieve نہیں کر سکے۔ اب تک کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں کہ ایک بیج سے دو اڑھائی سو دانے تک

اس کے اندر جوش وخروش پیدا کیا ہے۔ یہ عملی تیاری سے پہلے ذہنی تیاری ہے۔ عمل سے پہلے اس ذہنی تیاری کی ضرورت ہوا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

'اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ایک طرف اپنی وسعتوں کو رکھا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ کیا کچھ دیتا ہے اور دوسری طرف یہ احساس دلایا ہے کہ تم مانگو تو سہی، الواسع سے کیا کچھ نہیں پا سکتے؟ وہ تمہارے دل کے حال کو جانتا ہے، اس کو معلوم ہے۔

یہاں دو چیزیں توجہ طلب ہیں: ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون ہے جو اپنا مال خرچ کر دیتا ہے؟ وہ جس کا معاشی نقطۂ نظر تبدیل ہو جائے، وہ جو ذاتی اغراض سے بالاتر ہو جائے۔ بظاہر یہ باتیں سادہ سی، چھوٹی سی ہیں لیکن اپنے اندر ایک داستان رکھتی ہیں۔ وہ جو اُخلاقی مقاصد کے لیے جینا چاہے۔ ذرا اپنے آپ سے پوچھ کر دیکھئے:

''کیا میرے لیے ذاتی غرض بڑی ہوتی ہے یا اُمت کی اغراض بڑی ہوتی ہیں''؟

یہاں سے آپ اپنے آپ کو ایک روشن جہان میں داخل کر سکتے ہیں، یہاں سے آپ اپنا رُخ موڑ سکتے ہیں۔ آپ کے نزدیک پوری اُمت، اُمتِ مسلمہ، مسلم کمیونٹی زیادہ اہمیت رکھتی ہے یا ذاتی مسائل؟ گھر، بچے اور دیگر مسائل زیادہ اہمیت کے حامل ہیں؟ کیا کہتے ہیں آپ؟ ابھی تک کی جو صحیح صورتحال ہے وہ کیا ہے؟ کیونکہ اگلا کام جو ہونا ہے وہ تو اسی گراؤنڈ پر ہوگا۔ زمین کا تو جائزہ لینا چاہیے کہ کیا چیز آپ کے لیے most important ہے؟ ذاتی مفاد اگر عزیز ہے تو انفاق نہیں ہوگا۔

آپ دنیا میں کس کے لیے جینا چاہتے ہیں؟

اپنے بچوں کے لیے جینا چاہتے ہیں؟

اپنے گھر والوں کے لیے جینا چاہتے ہیں؟
شوہر کے لیے جینا چاہتے ہیں؟
یا کسی اور مقصد کے لیے؟

کیا مقصد سامنے ہے؟

طالبہ: اولاد کی تربیت بھی تو اُمتِ مسلمہ کو sound character provide کرنے کے لیے ہے۔

استاذہ: no doubt۔ بات یہ ہے کہ اولاد پر خرچ کرنے کے لیے تو اللہ تعالٰی پہلے حکم دیتا ہے لیکن جانتے ہیں ہم اولاد پر کیوں خرچ کرتے ہیں؟ عام طور پر یہی سوچا جاتا ہے کہ بچے بعد میں ہمارے کام آئیں گے لیکن وہ بھی دنیا میں کام آنے کے لیے۔ وہاں پر بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ اولاد پر اس طرح خرچ کریں کہ اولاد آخرت میں ہمارے کام آئے کیونکہ اولاد کو ہم دنیا کا بنانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہے؟ اولاد کو اگر اللہ تعالٰی کا بنانے کے لیے خرچ نہ کیا تو پھر ایک سے سات سو نہیں مل سکتے۔

طالبہ: جس طرح کا atmosphere ہے کیا اس کے مطابق مقصد بھی ضروری ہے؟

استاذہ: آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اَخلاقی مقاصد کے لیے جینے کی ضرورت ہے؟ اَخلاقی مقصد کون سا ہے؟ دنیا میں دو طرح کے مقاصد ہیں: ایک وہ مقاصد ہیں جو ذاتی مفاد کے تحت بنتے ہیں اور دوسرے ذاتی مفاد سے بالاتر، اعلیٰ ترین مقاصد ہوتے ہیں جو اَخلاقی مقاصد کہلاتے ہیں۔ اعلیٰ مقاصد تو رب نے دیئے ہیں۔ ربّ نے جینے کا پورا پروگرام دیا ہے کہ جینا ہے تو اس میں اپنی مرضی نہیں کرنا۔ ہر جگہ، ہر مقام پر اللہ تعالٰی کی چاہت، اللہ تعالٰی کی رضا کی طلب کو ضرور سامنے رکھنا ہے۔ اپنی

اَغراض سے بالاتر ہو جاؤں گا تو میں انفاق کر سکتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ اگر میں اعلیٰ مقاصد کے لیے جینا چاہتا ہوں تو ہی میں انفاق کر سکتا ہوں اور اگر میں انفاق نہیں کر رہا تو اس کا مطلب ہے کہ میں نے ایسے ہی اپنے ذہن میں بٹھا رکھا ہے کہ میں اعلیٰ مقاصد کے لیے جی رہا ہوں حالانکہ زندگی میں اعلیٰ مقصد ہیں نہیں۔

دوسری بات جو توجہ طلب ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس انفاق کو جو فی سبیل اللہ ہے بڑھاتے رہتے ہیں لیکن جو انفاق غیر اللہ کے لیے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے بھی ہے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس انفاق کو بڑھاتے ہیں جو کسی کی عزتِ نفس کو نہیں کچلتا۔ کیا آپ کسی کی عزتِ نفس کو کچلتے ہیں؟ کسی پر احسان جتلانا، طعنہ دینا، دکھ پہنچانا، لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کرنا، اسی طرح سے بہت ساری اور صورتیں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس انفاق کو بڑھاتا ہے جو دل کی پاکیزگی اور سچائی سے کیا جائے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے کیا جائے، کسی اور مقصد کے لیے نہ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انفاق کو بیج سے تشبیہ دے کر ہمیں سمجھایا ہے کہ انسان کا عمل بیج کی طرح ہے جس کو وہ کسی بھی زمین میں ڈال سکتا ہے، چاہے تو دنیا کی زمین میں ڈال دے اور چاہے تو آخرت کی سرزمین میں بو دے۔ دنیا کی زمین میں ڈالے گا تو اس کا پھل اسے دنیا میں مل جائے گا اور اگر آخرت کی زمین میں ڈالے گا تو اس کا پھل اسے آخرت میں مل جائے گا۔

کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا دنیا کے لیے بھی خرچ کرتا ہے؟ جی ہاں! یہ خرچ ہوتا ہے۔ دنیا کے لوگوں میں مقام پانے کے لیے۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جو لوگ انفاق کرتے ہوئے یا خیرات کرتے ہوئے فوٹو سیشن کراتے ہیں وہ اس کا اجر آخرت میں پانا چاہتے ہیں؟ کسی کے لیے بہت بڑا کام بھی کر دیا لیکن یہ سوچا ہی نہیں کہ انسان سے زیادہ قدر و قیمت تو کسی چیز کی نہیں۔ احسان جتلا کر اس کی عزتِ نفس کو کہاں لے جا کے ڈال دیا؟

اپنے قدموں تلے کچل ڈالا۔ ایک انسان دوسرے انسان کی عزتِ نفس کو کچل کر اپنی ذات کی بڑائی خریدتا ہے۔ ایسے شخص کی بڑائی، اس کا شہرہ دنیا میں ہوتا ہے کہ یہ بڑا دیالو ہے، بڑا سخی ہے، غریبوں کی بہت خدمت کرتا ہے۔ یہ غریبوں کی خدمت ہے کہ ان کی عزتِ نفس کو ہی کچل ڈالا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”افضل صدقہ وہ ہے کہ ایک ہاتھ سے دیا جائے تو دوسرے کو معلوم ہی نہ ہو کہ کہاں دیا ہے“۔ (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ: باب صدقۃ السر)

جو صدقہ ریاکاری کے لیے دیا جاتا ہے وہ دنیا کی سرزمین میں ڈالا جاتا ہے، اس کا اجر انسان کو دنیا میں مل جاتا ہے، لوگ واہ واہ کرتے ہیں اور واہ واہ کے ساتھ مال ختم۔ اب اس کا آخرت میں کوئی اجر ملنے والا نہیں ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : بَیْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِیْ سَحَابَةٍ : اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰی ذٰلِکَ السَّحَابُ فَاَفْرَغَ مَاءَهٗ فِیْ حَرَّةٍ فَاِذَا شَرْجَةٌ مِّنْ تِلْکَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِکَ الْمَاءَ کُلَّهٗ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَاِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِیْ حَدِیْقَتِهٖ یُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهٗ : یَا عَبْدَ اللّٰهِ ! مَا اسْمُکَ ؟ قَالَ : فُلَانٌ لِلِاسْمِ الَّذِیْ سَمِعَ فِی السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهٗ : یَا عَبْدَ اللّٰهِ ! لِمَ سَاَلْتَنِیْ عَنِ اسْمِیْ ؟ فَقَالَ : اِنِّیْ سَمِعْتُ صَوْتًا فِی السَّحَابِ الَّذِیْ هٰذَا مَاءُهٗ یَقُوْلُ : اِسْقِ حَدِیْقَةَ فُلَانٍ لِاِسْمِکَ فَمَا تَصْنَعُ فِیْهَا ؟ فَقَالَ : اَمَّا اِذْ قُلْتَ هٰذَا فَاِنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مَا یَخْرُجُ مِنْهَا فَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَاٰکُلُ اَنَا وَعِیَالِیْ ثُلُثًا وَاَرُدُّ فِیْهَا ثُلُثَهٗ ۔ (صحیح مسلم: 7473)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک دفعہ ایک آدمی صحرا میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک بدلی سے ایک آواز سنی، فلاں کے باغ کو سیراب کرو۔ پس بادل کا یہ ٹکڑا الگ ہوا اور اس نے اپنا پانی ایک سیاہ سنگلاخ زمین میں برسا دیا، پس ان نالوں میں سے ایک نالے نے سارا پانی اپنے اندر جمع کر لیا (اور پانی چلنے لگا)۔ یہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا (آگے جا کر ایک مقام پر دیکھا) کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا، اپنے کسی اوزار) سے اپنے باغ کو پانی لگا رہا ہے۔ اس نے اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بدلی سے سنا تھا۔ پس باغبان نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں جس سے یہ پانی (یہاں بہتا ہوا آیا) ہے، ایک آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرا اور یہ وہی نام ہے جو تو نے اپنا بتلایا ہے، تو اس باغ میں ایسا کون سا عمل کرتا ہے؟ (کہ تیرے باغ کی سیرابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل کو حکم دیا) اس باغ والے نے کہا: جب تو یہ کہہ رہا ہے تو (میں بتا دیتا ہوں کہ) میں اس باغ کی پیداوار کا اندازہ لگاتا ہوں اور اس میں سے تیسرا حصہ صدقہ کرتا ہوں، تیسرا حصہ میری اور میرے اہل وعیال کی خوراک ہو جاتا ہے اور اس کا تیسرا حصہ اس باغ پر دوبارہ لگا دیتا ہوں“۔

اس حدیث سے کیا پتہ چلتا ہے؟

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ

”اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے“۔

دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے اور برکت دیتا ہے۔

عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : مَنْ اَنْفَقَ نَفَقَةً فِي سَبِيلِ اللهِ كُتِبَتْ لَهُ سَبْعُ مِائَةِ ضِعْفٍ . (جامع ترمذی: 1625)

خُریم بن فاتک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اس کے لیے سات سو گنا اجر لکھا جاتا ہے''۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے پوری وضاحت فرمائی کہ دنیا کے لیے خرچ کیے جانے والے مال کی کیا حیثیت ہے اور آخرت کے لیے خرچ کرنے والے کے لیے کیا حیثیت ہے؟

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ : فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهِ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهِ ؟ قَالُوْا : يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ ! مَا مِنَّآ اَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ اَحَبُّ اِلَيْهِ قَالَ : فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَآ اَخَّرَ . (صحيح بخاری: 6442)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو''؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ و خیرات) کر کے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا''۔

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان ساری زندگی جس غلط فہمی میں مبتلا رہتا ہے، جس کو اپنا مال کہتا ہے وہ اپنا رہتا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کتنے لوگوں کے توسط سے یہ سبق دیتا ہے کہ باز آ جاؤ اور اپنے لیے کچھ کر لو۔ مثال کے طور پر جو والدین اپنی زندگی میں اپنے بچوں

کے نام اپنی پراپرٹی لگوادیتے ہیں وہ بچوں کی نظروں سے گرجاتے ہیں، وہی بچے ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں جیسے کوئی تعلق ہی نہ ہو، جیسے وہ ان پر بوجھ بن گئے ہوں، جیسے وہ غیر ضروری ہوگئے ہوں۔ پھر جھڑکیاں، طعنے اور ناروا سلوک ان کا مقدر بن جاتا ہے، پھر وہی ماں باپ ہوتے ہیں جو دوا کو ترستے ہیں، پھر وہی ماں باپ ہوتے ہیں کروڑوں کی جائیداد ہونے کے باوجود اپنے لیے اچھے لباس کو ترستے ہیں، کھانے کو ترستے ہیں اور وہ اولاد جس کی محبت میں انہوں نے سب کچھ کیا ہوتا ہے ان کی ایک مسکراہٹ کو ترستے ہیں۔ یہ مال ہے جو مسکراہٹیں چھین لیتا ہے، رشتے ختم کر دیتا ہے حالانکہ والدین یہ چاہتے ہیں کہ اس سے رشتے مضبوط رہیں اور یہی رشتوں کو کاٹنے والی چیز بن جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اتنی خوبصورت مثال دی ہے کہ دیکھو! تمہیں اپنا مال زیادہ عزیز ہے یا اپنے وارثوں کا؟ انسان کو ہمیشہ یہی فکر ستاتی ہے کہ میرے پیچھے میرے بچوں کا کیا ہو گا؟ اور یہ نہیں سوچتا کہ جس ربّ نے پیدا کیا ہے، جو اصل میں سب کا وارث ہو جانے والا ہے، یہ سوچنا، یہ کرنا تو اُس کی ذمہ داری ہے، جس نے پیدا کیا ہے وہی رزق دینے والا ہے۔ ہمارے ورثے کی وجہ سے کسی کو کتنا فائدہ پہنچ جائے گا؟ اپنے بچوں کے لیے بچا کے رکھنے کا جو جذبہ ہے اس کو رسول اللہ ﷺ نے highlight کیا ہے کہ اب کیا کہتے ہو؟ آپ کو اپنا مال عزیز ہے یا وارث کا مال؟ لوگوں نے کہا کہ اپنا زیادہ عزیز ہے تو آپ ﷺ نے واضح کیا کہ جو آپ پیچھے چھوڑ جاؤ گے وہ تو وارث کا مال ہے اور جو آپ آگے بھیج دو گے وہ آپ کا مال ہے۔ توجہ کس چیز کی طرف دلائی؟ کہ آگے بھیج دو۔ لوگ کہتے ہیں پھر بچوں کا کیا ہو گا؟ جو ربّ آپ کو دے سکتا ہے کیا آپ کے بچوں کو نہیں دے سکتا؟ انسان اپنے آپ کو رازق کے مقام پہ رکھ لیتا ہے اس لیے پھر دنیا میں بھی اس کے نتائج بھگتتا ہے، آپ ماں باپ ضرور بنیں، رازق نہ بنیں۔ جب ماں باپ رازق بن کے بچوں کے سامنے آتے ہیں تو

اصل رازق سے بچوں کا رشتہ کاٹ دیتے ہیں، پھر وہ خالق اور مخلوق کے رشتے پر تیشہ چلاتے ہیں:

وَيَقۡطَعُوۡنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ (البقرہ:27)

''وہ اس رشتے کو کاٹ ڈالتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے''۔

بیچ میں کون آیا؟ والدین، اور سزا جانتے ہیں کیا ملتی ہے؟ اپنی اولاد اپنی ہی نہیں رہتی۔ جس کو اصل خالق کا نہیں بنایا، وہ ماں باپ کی کیسی بن سکتی ہے؟ وہ اولاد ماں باپ کی نہیں بن سکتی۔

یہاں ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان یہ جانے کہ دنیا کے لیے کس طرح خرچ کرے اور آخرت کے لیے کس طرح خرچ کرے؟ جس مال کو خرچ کر کے انسان دنیا کا فائدہ چاہے وہ دنیا کے لیے خرچ ہے، مثلاً بچوں کے لیے مال چھوڑ جانا چاہا تو یہ بچوں کا فائدہ ہے لہٰذا یہ دنیا کے لیے خرچ ہے۔ اسی طرح دنیا میں خرچ کر کے انسان شہرت چاہتا ہے اور شہرت مل جاتی ہے تو یہ شہرت چونکہ دنیا کے لیے چاہی ہے اس لیے یہ دنیا کے لیے کیا جانے والا خرچ ہے۔ ایسے ہی جس مال کے توسط سے انسان عزت چاہتا ہے اسے عزت ضرور مل جاتی ہے لیکن یہ دنیا کی عزت ہے، یہ دنیا کے لیے خرچ کیا جانے والا مال ہے اور اگر انسان اپنے آپ کو دیکھنا چاہے، پرکھنا چاہے، اپنا تجزیہ کرنا چاہے تو ایسا لگتا ہے کہ انسان ربّ کے سامنے بالکل عریاں ہو گیا، واقعی انسان کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ دنیا کے لیے کیے جانے والے خرچ کا بدلہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی دے دیتا ہے اور خرچ کا بدلہ آخرت میں نہیں ملے گا۔

اسی طرح انسان آخرت کے لیے جو مال خرچ کرتا ہے، اس کو خرچ کرتے ہوئے نہ کسی پر احسان جتلاتا ہے، نہ اذیت دیتا ہے، اس مال کو خرچ کرنے پر لوگ appriciate نہ

بھی کریں تو ناراضی کا اظہار نہیں کرتا، لوگ قدردانی نہ کریں تو پرواہ نہیں کرتا کیونکہ اس کے دل کو یقین ہے کہ مجھے تو بدلہ اللہ تعالیٰ سے لینا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینا چاہتا ہے اسے دوسروں کے برے رویے نقصان نہیں دے سکتے۔ عام طور پر انسان فی سبیل اللہ خرچ کو بھی اسی لیے بند کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے اسے دنیا کا فائدہ نہیں ملتا۔ آپ اسے عام زندگی میں apply کر کے دیکھیں، مثال کے طور پر آپ نے اپنے کام کرنے والی maid کو یا کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیا، اس کی ضروریات کا خیال رکھا، مثلاً اس کی بیٹی کی شادی تھی اور آپ نے help کر دی یا اس کے مکان کی چھت گر گئی تو آپ نے چھت ڈلوا دی یا اس کے گھر کا دروازہ خراب تھا اور آپ نے وہ دروازہ لگوا دیا، یا اُس کا بچہ بیمار تھا تو آپ نے اُس کے لیے کچھ کر دیا۔ انسان کی کیفیات پر غور کریں تو اُسے کبھی غصہ آتا ہے، کسی وقت وہ خوشی کی حالت میں ہوتا ہے، کبھی تھک جاتا ہے، کبھی بہت fresh ہوتا ہے، لیکن کوئی ایسا فرد جس پر انسان نے مال خرچ کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں اب وہ یہ feel کرتا ہے کہ یہ اب تھکے گا نہیں، اب کبھی اس کا موڈ off نہیں ہوگا اور اب یہ کبھی میرے کسی کام پر مجھے انکار نہیں کرے گا اور جب وہ اپنے ذہن میں یہ رکھ لیتا ہے تو پھر اگر کبھی اس فرد کا موڈ off ہو جس کی مدد کی تھی تو فی سبیل اللہ خرچ بند ہو جاتا ہے، یا انسان اُس پر احسان جتلاتا ہے، اُسے تکلیف دیتا ہے اور اگر کوئی تھک جائے تو ایسی صورت میں بھی آسے باتیں سننا پڑتی ہیں، طعنے سننا پڑتے ہیں اور اگر وہ حکم نہ مانے تو دوسری طرف سے طعنوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے یا کم از کم آئندہ کے لیے صدقے کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ صدقہ فی سبیل اللہ نہیں ہے، آخرت کے لیے نہیں ہے کیونکہ آخرت کے لیے جو خرچ کرتا ہے وہ اس بات سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ کوئی اس کا response کیسے دیتا ہے؟ اور پھر اگر کسی کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اس کا response اچھا ہو جائے تو پھر صدقہ گیا دنیا کے کھاتے میں، آخرت میں اس کا کوئی

اجر نہیں ملے گا۔

اسی طرح سے جو شخص آخرت کے لیے خرچ کرنا چاہتا ہے، اگر وہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا تو کم از کم ڈانٹتا بھی نہیں ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا:

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ: 10)

''اور سائل کو نہ جھڑکو''۔

جہاں تک سائل کا تعلق ہے تم اس کو ڈانٹو گے نہیں کہ اگر دے نہیں سکتے تو کم از کم اُس سے برا سلوک نہیں کرنا، نہ دے سکنے کی صورت میں نرمی سے معذرت کرلو۔ آخرت کے لیے خرچ کرنے والے کے دل کو یہ یقین ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے ربّ کے سامنے کہہ رہا ہوں، لہٰذا وہ کوئی غلط بات نہیں کرتا، غلط رویہ نہیں رکھتا اور اصلاح کہاں سے ہوتی ہے؟ جب کسی اور سے بات کر رہے ہوں، جواب دے رہے ہوں۔ کسی کو جواب دیتے ہوئے یہ محسوس کریں کہ ربّ کے سامنے کہہ رہے ہیں تو رویہ ہی بدل جاتا، سختی نرمی میں بدل جاتی ہے اور انسان کے محسوسات تک تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اگر انسان اپنی mind setting کر لے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

''اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے، جاننے والا ہے''۔

ایسا وسعت والا ہے، اتنا فراخ دست ہے کہ اس کی عطا میں کبھی کمی نہیں آتی۔ جو مانگنا چاہو، وہ سب کچھ دے ڈالے، تب بھی اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

''اگر ابنِ آدم کے سب پہلے اور سب بعد میں آنے والے ایک میدان میں اکٹھے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کریں اور اللہ تعالیٰ سب کی مانگیں

پوری کر دیں تو اُس کے خزانوں میں اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنا تم سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لیتے ہو تو سمندر کے پانی میں کمی آتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے۔اللہ تعالیٰ کے پاس دینے کو بہت کچھ ہے۔پھر وسعت کے حوالے سے دوسری اہم بات یہ ہے کہ فرض کریں ایک انسان کا عمل بہت ترقی کرنے والا ہے تو ہماری دنیا کی طرح ایسا نہیں ہے کہ کوئی انسان بہت ترقی کر سکتا ہو اور اسے کھینچ کے پیچھے رکھ لیا جائے، جیسے ہمارے ہاں ہوتا ہے کہ جو لوگ زیادہ محنتی ہوتے ہیں، ارد گرد والے سارے آگے جانے کے لیے ایک ہی طریقہ کار اختیار کرتے ہیں کہ اس کی leg pulling کی جائے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی کا عمل اس طرح قبول نہیں کیا جاتا کہ اس کے عمل کو مناسب ترقی نہ دی جائے۔جتنی ترقی کا کوئی اہل ہوتا ہے اتنی ترقی اسے ضرور دے دی جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فراخ دست ہے کہ اس کی وسعت ختم ہونے والی نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ فراخ دست ہے کہ اس کے جوش میں کمی آنے والی نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک بار دے تو اس کے بعد جوش ٹھنڈا پڑ جائے، کبھی دے دے اور کبھی نہ دے۔انسانوں کے اندر دیکھیں تو ان میں یہ تبدیلی ضرور آتی ہے، کبھی تو جوش وجذبہ اتنا زیادہ ہے کہ زیادہ بھی دیتے ہیں اور کبھی وہ جوش وجذبہ نہیں رہا تو دینے میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا نہیں ہے کہ ایک وقت دیں اور پھر کبھی نہ دیں، اللہ تعالیٰ کا جوش وجذبہ ٹھنڈا نہیں پڑتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ : أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ وَقَالَ : يَدُ اللهِ مَلْأَىٰ لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ : أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَآءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى

الْمَاءِ وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ . (صحیح بخاری: 4684)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (میری راہ میں) خرچ کرو تو میں بھی تم پر خرچ کروں گا''۔ اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات اور دن کے مسلسل خرچ سے بھی یہ کم نہیں ہوتا''۔ اور فرمایا: ''تم نے دیکھا نہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے مسلسل خرچ کیے جا رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ میں کوئی کمی نہیں ہوئی، اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزانِ عدل ہے جسے وہ جھکاتا اور اُٹھاتا رہتا ہے''۔

بہت ہی پیاری اور اتنی ہی مختصر حدیث ہے، یہ حصہ تو ضرور یاد کرلیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ

''آپ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرو، میں آپ پر خرچ کروں گا''۔

وہ میزانِ عمل جھکاتا اور آٹھاتا رہتا ہے، جب کسی کے عمل کا وزن زیادہ کرنا ہوتا ہے تو اُس کا پلڑا جھکا دیتا ہے اور جب کسی کا عمل اس قابل نہیں ہوتا تو اس کا پلڑا ہلکا ہو جاتا ہے۔

دوسری صفت جو اللہ تعالیٰ نے استعمال کی ہے وہ ہے علیم۔ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ باخبر ہے، جو خرچ کیا جاتا ہے اس کے علم میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ باخبر ہے کہ اسے انسانوں کے جذبوں کا علم ہوتا ہے، وہ کسی کے اجر کو مارتا نہیں ہے، نیتوں کا حال جانتا ہے، نیکی اور نیت پر اجر دیتا ہے، اُس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ وہ ایک لیتا ہے اُسے جانتا ہے اور اُس کا علم رکھتا ہے پھر اپنی وسعت سے ایک کو سات سو کر دیتا ہے۔ کاش اس نفع بخش تجارت کا سچا شعور ہمیں نصیب ہو جائے۔ ہمارے دلوں کے دروازے

کھل جائیں۔ہم پر رب کی رحمت ہوجائے اور ہم اللہ کی رحمتوں کا مزہ چکھنے کے قابل ہوجائیں آمین۔